بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند مشہور مسائل

اور

فقہ حنفی کے دلائل

الیاس نعمانی

تفصیلات

کتاب: چند مشہور مسائل اور فقہ حنفی کے دلائل
مصنف: الیاس نعمانی
کمپوزنگ: محمد ظہیر ندوی
ناشر:

ملنے کے پتے

فہرست

عناوین	صفحہ

پیش لفظ

از: مولانا یحییٰ نعمانی

عجب دور ہے۔ مسلمانوں کے لیے فتنے ہی فتنے! قوم کو گمراہیاں گھیرے ہیں، مغرب کی فاسق وفاجر تہذیب گھروں میں ہر بند توڑ کر داخل ہورہی ہے، مگر کچھ نادان سب کام چھوڑ کر اس پروپیگنڈے میں لگے ہیں کہ حنفی مسلک کی نماز غلط اور سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا تم علماء کی نہیں ہماری بتائی ہوئی شریعت پر عمل کرو۔ حنفی مسلک چھوڑو اور ہماری کتاب پر عمل کرو۔ کوئی ان عقل کے دشمنوں سے پوچھے کیا آج یہ علم پہلی مرتبہ تمہارے اوپر نازل ہوا ہے یا محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے کسی مقبول و مستند عالم نے پہلے بھی یہ کہا ہے؟

نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے تمام معتبر علماء اس پر متفق ہیں کہ چاروں مسالک حق ہیں اور سب ایک ہی سرچشمے سے نکلنے والی نہروں کی طرح حدیث اور قرآن سے ماخوذ ہیں۔ اسی لیے ان مسائل میں کسی عالم نے عوام کو اپنے علاقے کے مسلک پر چلنے سے نہیں روکا۔ اکیلی یہی بات اپنے دین کی حفاظت کرنے والے کو یہ سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ ایسا کرنے والے لوگ اور ایسی کتابیں لکھنے والے اور بانٹنے والے اہل سنت کے طریقے کے خلاف کر رہے ہیں۔

تعصب آدمی سے خیانت بھی کراتا ہے۔ اس گروہ کا فتنہ اور دھوکہ یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق کچھ حدیثوں کو ذکر کر کے جاہل اور دینی علم میں کمزور عوام کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ وہ تو بات قرآن اور حدیث کے حوالے سے کر رہا ہے، اور حنفی مسلک جس پر ہندوستان، پاکستان وغیرہ کے اہل سنت مسلمانوں کی غالب اکثریت عمل کر رہی ہے وہ بلا دلیل اور حدیث

کے خلاف ہے۔ اس گروہ کی خیانت اور بے ایمانی یہ ہے کہ وہ حنفی فقہ کے صحیح اور مضبوط دلائل کو ایسے غائب کر دیتا ہے کہ جیسے وہ ہیں ہی نہیں۔ اس طرح عوام کو دھوکہ دے کر اپنے علماء اور حق مسلک سے دور کرنے کی کوشش جاری ہے۔

مثلاً میرے سامنے اس وقت ایک کتاب نماز نبوی نامی ہے۔ پوری کتاب اسی علمی بد دیانتی کی مثال ہے۔ مثلاً نماز میں ہاتھ کہاں پر باندھے جائیں اس سلسلے میں اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایات صحیح ہیں۔ اور بالکل چھپا لیا گیا کہ اگر ایک طرف کچھ محدثین نے ان کو صحیح مانا ہے تو دوسری طرف بہت سے محدثین نے ان کو ضعیف بھی کہا ہے۔ اسی طرح بالکل چھپا لیا کہ اس مسئلے میں حنفی مسلک کے دلائل کیا ہیں۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ ناف کے نیچے باندھنے کی روایت کو احناف ثابت کرتے ہیں کہ وہ بالکل صحیح اور مضبوط ہے۔ جیسا کہ آپ اس رسالے میں واضح حوالوں اور سند سے پائیں گے۔

موجودہ زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کو زبردست چیلنجز کا سامنا ہے، بے دینی کا سیلاب ہے، مسلمان کہلانے والوں میں اکثر کی زندگی اللہ ورسول سے بغاوت والی ہے۔ پھر اس کے نتیجے میں ان پر دنیا کا سکون بھی حرام ہو گیا ہے۔ فرقہ بندیاں اب زبردست خوں ریزی تک پہنچ گئی ہیں۔ ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں اہل حق علماء نے عموماً یہ چاہا تھا کہ وہ امت کی اصلاح و تربیت کا کام کریں، مگر یہ اور اس جیسے نادان گروہ فضول مسلکی فتنے پھیلاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس جھوٹے پروپیگنڈے کا ایک سیلاب سا آ گیا ہے کہ حنفی مسلک صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اس لیے اب علماء کو عوام کو اس گمراہ گروہ کے ذریعے پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں سے نکالنے میں اپنی توانائیاں لگانی پڑ رہی ہیں۔ افسوس! نادانوں نے ہمیشہ قوم کا بیڑا غرق کیا ہے۔

ہم یہاں صاف کہتے ہیں کہ جو لوگ عوام کو اہل سنت کے مسلکوں میں سے کسی مسلک سے بدظن کر رہے ہیں وہ گمراہ ہیں۔، ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔

یہ مختصر سا رسالہ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ برادر اعز مولوی الیاس سلمہ اللہ کو اللہ نے بڑا اچھا علم اور لکھنے کا سلیقہ دیا ہے۔ اس رسالے میں انہوں نے

ان چند مشہور مسائل کا جائزہ لیا ہے جن کے بارے میں عوام کو بہت گمراہ کیا جارہا ہے کہ ان میں حنفی مسلک کتاب وسنت کے خلاف ہے، یہی وہ چند مسائل ہیں جن کے بارے میں سب سے پہلے کسی عام شخص کو دھوکا دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کچھ اور ہے اور حنفیوں کا کچھ اور، آپ دیکھیں گے کہ بد دیانتی اور تعصب کو اگر چھوڑ دیا جائے تو ان مسائل میں حنفی مسلک کے پاس قرآن وحدیث کی اپنی مضبوط دلیلیں ہیں۔ اور پھر یہی رسالہ ان شاء اللہ بہت سوں کے لیے اس فتنے کی دعوت کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اور وہ جان جائیں گے کہ ان سے کتنی چالاکی اور تعصب سے حقیقت چھپائی جاتی ہے۔ ہمیں بڑی خوشی ہے کہ یہ رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑا کامیاب تیار ہوا ہے۔ کسی بھی منصف سمجھ دار کے لیے اس میں اطمینان کا پورا سامان ہے۔ خاص طور پر جو نوجوان علماء اس فتنے کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس رسالے سے وہ یہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ اعتدال وانصاف اور سنجیدہ ومہذب طرز گفتگو سے لوگوں کو کیسے مطمئن کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے لیے ہمارے دلوں کو کھول دے اور بدفہمی سے ہمیں بچائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

یحییٰ نعمانی

لکھنؤ، ۱۵؍ستمبر ۲۰۱۴ء

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں گے۔

دلیل:

مصنف ابن ابی شیبہؒ میں بالکل صحیح سند کے ساتھ حضرت وائلؓ بن حجر کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلاۃ تحت السرۃ ''۔(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، باب الیمین علی الشمال،۳۲۰/۳،حدیث نمبر:۳۹۵۹)۔

(ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے تھے)۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے یعنی یہ ایک صحیح حدیث ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں[۱]۔

---

[۱] اس حدیث کی سند میں چار راوی ہیں، ۱-وکیع: مشہور امام حدیث، نہایت ثقہ اور معتبر راوی، صحیح بخاری وصحیح مسلم سمیت تقریبا تمام کتابوں میں آپ کی روایتیں موجود ہیں، ۲-موسی بن عمیر: تمام محدثین کے نزدیک ثقہ (تہذیب التہذیب: ۳۶۴/۱۰)، ۳-علقمہ بن وائل: ثقہ اور معتبر راوی (تہذیب التہذیب: ۲۸۰/۷)، چوتھے راوی صحابی حضرت وائل بن حجر ہیں، اور تمام صحابہ ثقہ وعادل ہیں، اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ ایک بالکل صحیح حدیث ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں کئی روایتیں ذکر کی گئی ہیں، بعض میں ناف کے نیچے، بعض میں ناف کے اوپر، بعض میں سینے کے پاس، اور بعض میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، لیکن ان تمام حدیثوں میں سے صرف ایک ہی حدیث صحیح ہے، اور وہ وہ ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی اور جس میں واضح طور پر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور طریقہ بتایا گیا ہے، اس کے علاوہ جتنی حدیثیں بھی ہیں وہ ضعیف ہیں۔

ایک دعوی اور اس کی حقیقت:

بعض لوگوں کی جانب سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے یہ حضرات اس دعوے کے ثبوت کے لئے عام طور پر یہ تین حدیثیں پیش کرتے ہیں:

۱- مسند احمد (۲۲۶/۵) میں مذکور حضرت ہلب طائی کی حدیث، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے تھے۔

۲- السنن الکبری للبیھقی (حدیث نمبر: ۲۴۳) اور بعض دیگر کتابوں میں حضرت وائل بن حجر کی یہ روایت کہ انہوں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا، اور پھر ان دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھا۔

۳- سنن ابی داود (حدیث نمبر: ۷۵۹) میں موجود حضرت طاؤس تابعی کا یہ بیان کہ رسول اکرمؐ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر باندھتے تھے۔

لیکن یہ تینوں حدیثیں صحیح نہیں ہیں، پہلی روایت کے ایک راوی قبیصہ بن ہلب ہیں، اور یہ ایک مجہول راوی ہیں، امام نسائی اور امام علی بن مدینی نے ان کو مجہول کہا ہے[۱]، اور جس حدیث میں مجہول راوی ہو وہ صحیح نہیں ہوتی ہے۔[۲] دوسری روایت میں ایک راوی مؤمل بن

---

[۱] تہذیب الکمال: ۲۳/۴۹۳۔

[۲] امام سیوطیؒ لکھتے ہیں: ''المجهول إذا لم يكن صحابيا فلا يقبل'' (مجہول راوی اگر صحابی نہ ہو تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی) [تدریب الراوی: ۲/۲۶۴، النوع السابع والاربعون] خیال رہے کہ قبیصہ بن ہلب صحابی نہیں ہیں، لہذا ان کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اسماعیل ہیں، عام طور پر محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، مثلا امام بخاری نے ان کو ''منکر الحدیث'' (یعنی وہ شخص جس کی بیان کی ہوئی روایتیں منکر [ضعیف] ہوتی ہیں) کہا ہے،[۱] اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تیسری روایت مرسل ہے، یعنی اس حدیث کی سند میں اس صحابی کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے جس نے یہ روایت بیان کی ہے، بلکہ ایک تابعی نے رسول اکرمؐ کا یہ عمل بتایا ہے، اس کے علاوہ اس حدیث کے ایک راوی سلیمان بن موسی ہیں، امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ جیسے محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے،[۲] لہذا اس روایت کو بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا ہے[۳]۔

---

۱ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجر ۱۰/۳۸۱

۲ تہذیب التہذیب: ۳/۲۲۷

۳ حیرت کی بات ہے کہ شیخ البانی (اور ان کے خوشہ چینوں) نے اس مرسل سے بھی استدلال کیا ہے، حالانکہ خود البانی صاحب نے ہی اپنی کتاب **أصل صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم** میں ایک اور مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے مرسل روایت سے استدلال پر سخت تنقید کی ہے، انہوں نے تحریر کیا ہے: ''اس حدیث کی سند اگر صحیح بھی ہے تو مرسل ہے، اور ہمارے نزدیک مرسل روایت کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے......''. اس موقع پر انہوں نے مرسل سے استدلال کو شریعت کی مخالفت بھی قرار دیا ہے (**أصل صفة صلاة النبي**: ۱/۸۹)، لیکن سینے پر ہاتھ باندھے جانے کی مرسل روایت سے خود استدلال کیا ہے، اتنا ہی نہیں انہوں نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے (**ارواء الغليل**: ۲/۷۱) لیکن اسی کتاب میں سلیمان بن موسیٰ کی ایک اور روایت پر کلام کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ چونکہ سلیمان ضعیف ہیں اس لئے ان کی سند وحدیث صحیح ہو ہی نہیں سکتی ''**وأما الصحة فهي بعيدة عنه**'' (**ارواء الغليل**: ۶/۲۴۲) اس طرز عمل پر حیرت نہ ہو تو کیا ہو کہ اگر مرسل حدیث اپنے نقطۂ نظر کے خلاف ہو تو اس کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ وہ بالکل ناقابل اعتبار ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا سب برابر ہے، بلکہ آگے بڑھ کر مرسل سے استدلال کو شریعت کی مخالفت بھی کہا جائے، لیکن جب مرسل حدیث اپنے نقطۂ نظر کے موافق مل جائے تو اس سے استدلال بھی کر لیا جائے اور اسے صحیح بھی قرار دے دیا جائے، نیز ایک راوی کی ایک حدیث کے بارے میں یہ لکھا جائے کہ وہ ضعیف ہے، اس کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی، لیکن دوسری جگہ اس کی حدیث سے استدلال کر لیا جائے۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، جب کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔لہٰذا جولوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو غلط اور سینے پر ہاتھ باندھنے کو صحیح کہتے ہیں وہ ایک صحیح حدیث چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

قراءت خلف الامام

یاامام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت

<u>مسئلہ:</u>

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے پیچھے نماز پڑھتے وقت مقتدی سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورت کی تلاوت نہیں کرے گا، بلکہ خاموش رہے گا۔

<u>دلائل:</u>

● صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''**وإذا قرأ فأنصتوا** ''(صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۰۴، **کتاب الصلاة ، باب التشهد في الصلاة**)۔

(ترجمہ: اور جب امام تلاوت کرے تم خاموش رہو)۔

● سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی صحیح حدیث میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''**إنما الإمام ليؤتم به،فإذا كبّر فكبّروا وإذا قرأ فأنصتوا**'' [۱] (سنن نسائی، حدیث نمبر:۹۲۱، ۹۲۲، **کتاب صفة الصلاة، باب تأويل قوله عز و جل وإذا قرئ**

---

[۱] سنن نسائی کی یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلمؒ نے پچھلی حدیث کے ضمن میں کلام کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کو صحیح بتایا ہے، مشہور سلفی عالم شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس کو ''**حسن صحيح**'' کہا ہے۔

القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون)۔

(ترجمہ: امام اس لئے ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو)۔

● امام احمدؒ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

عن ابی موسی رضی الله عنه قال: علمنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال إذا قمتم إلى الصلاة فليؤمكم أحدكم وإذا قرأ الإمام فأنصتوا (مسند احمد، مسند الكوفيين ، حديث أبي موسىٰ الأشعريؓ، ۴/۴۰۰)۔

(ترجمہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک شخص تمہارا امام بن جائے، اور امام جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو)۔

ان تین صحیح حدیثوں کے علاوہ اور بھی کئی صحیح حدیثوں میں امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی (امام کے پیچھے نماز پڑھنے والا) سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی کسی اور سورت کی تلاوت نہیں کرے گا، بلکہ امام کے پیچھے خاموش رہے گا۔

ایک ضروری وضاحت:

متعدد صحیح حدیثوں میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ نماز پڑھنے والے کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازم ہے، اور بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہ ہوگی، لیکن خیال رہے کہ خود رسول اکرمؐ نے ہی مقتدیوں (امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں) کو سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنے سے روکا ہے، اور انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کی گئی تین صحیح حدیثوں میں دیکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کے لئے اور جماعت کی نماز میں امام کے لئے لازمی ہے، لیکن جب انسان جماعت کی نماز میں

شریک ہو اور کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت نہیں پڑھنی ہوگی، بلکہ وہ خاموش رہے گا، جیسا کہ اوپر کی تین حدیثوں میں حکم دیا گیا ہے کہ امام جب تلاوت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ بعض حدیثوں میں رسول اکرمؐ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ جماعت کی نماز میں امام کی تلاوت ہی مقتدیوں کی طرف سے بھی مان لی جاتی ہے

مثلاً: امام محمدؒ نے بالکل صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

عن جابر بن عبد اللّٰه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال "من صلى خلف الإمام فان قراء ة الإمام له قراء ة" (مؤطا امام محمد: **ابواب الصلاة، باب القراء ة في الصلاة خلف الإمام**)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کی بھی قراءت ہے۔

اس حدیث میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ امام کی قراءت اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی طرف سے بھی کافی ہے، انہیں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی ہے، یعنی سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی کوئی سورت نہیں پڑھنی ہے، اور (جیسا کہ پیچھے گزر چکی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے) انہیں قراءت کے وقت خاموش رہنا ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کی بھی رائے یہی تھی کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا، ہم یہاں ایسے چند صحابہ کرام کے نام ذکر کر رہے ہیں جن کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں یہ روایتیں ملتی ہیں کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے جانے کو غلط سمجھتے تھے، ہر نام کے آگے ہم نے روایت کا حوالہ بھی لکھ دیا ہے۔

- حضرت ابوبکرؓ — مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب القراء ۃ خلف الامام، حدیث، نمبر: ۲۸۱۰، ۱۳۹/۲ مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت، طبع دوم، ۱۹۰۳۔

● حضرت عمرؓ حوالۂ بالا۔

● حضرت عثمانؓ حوالۂ بالا۔

● حضرت علیؓ مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ خلف الامام، حدیث، نمبر: ۲۸۰۹، ۲/۱۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، باب من کرہ القراءۃ خلف الامام، حدیث نمبر: ۳۷۸۱، ۲۷۸۳، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔

● حضرت زید بن ثابتؓ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، حدیث نمبر: ۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، باب من کرہ القراءۃ خلف الامام، حدیث نمبر ۳۸۰۴، ۳/۲۷۸۔

● حضرت عبداللہ بن عمرؓ موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جھر فیہ۔

● حضرت جابر بن عبداللہؓ سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی ترک القرائۃ خلف الامام اذا جھر بالقراءۃ۔

● حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، باب من کرہ القراءۃ خلف الامام، حدیث نمبر: ۳۸۰۱، ۱/۲۷۸۔

حدیث کی کتابوں میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام کے بارے میں ایسی روایتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے، ہم نے طوالت کے خوف سے صرف ان حضرات کے ناموں پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کا مسلک صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اور خلفاء راشدین (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) سمیت صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد اس مسئلہ میں وہی رائے رکھتی تھے جو امام ابوحنیفہؒ اور احناف کی ہے۔

آمین بالسر یا آمین بالجہر

یعنی جماعت کی نماز میں آمین آہستہ سے کہا جائے یا زور سے؟

<u>مسئلہ:</u>

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت کی نماز میں نمازی آمین آہستہ سے کہے گا، زور سے نہیں۔

<u>دلائل:</u>

مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ حضرت وائل بن حجر کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

"**أنه صلى مع النبي ﷺ حين قال: ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ قال آمين يخفض بها صوته**"(**المستدرك على الصحيحين: كتاب التفسير، قراءة النبي صلى الله عليه وسلم مما لم يخرجاه وقد صح سنده**، ۲/۲۵۳، حدیث نمبر: ۲۹۱۳)

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے ﴿**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**﴾ کے بعد آہستہ آواز میں آمین کہا۔

یہ حدیث صحیح ہے، امام حاکمؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "**هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه**" (ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، اگرچہ ان دونوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں

نقل نہیں کیا ہے)، امام حاکمؒ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کی ہے لیکن یہ حدیث بخاری اور مسلم کی حدیثوں کی طرح کی صحیح حدیث ہے، امام ذہبیؒ نے بھی ''تلخیص'' میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط پر ہے، یعنی ویسی صحیح ہے جیسی صحیح بخاری و مسلم کی حدیثیں ہوتی ہیں۔

ایک ضروری وضاحت:

بعض دیگر حدیثوں میں آمین زور سے کہنے کا بھی تذکرہ ہے، لیکن احناف اوپر ذکر کی گئی صحیح حدیث کے مطابق عمل کرتے ہوئے آہستہ آمین کہنے کو ترجیح اس لئے دیتے ہیں کہ ''آمین'' ایک دعا ہے، (اس کا مطلب ہوتا ہے: اے اللہ! قبول فرمایئے) اور دعا کے بارے میں قرآن مجید میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ: ''**ادعوا ربکم تضرعا و خفية**'' [سورۂ اعراف:۵۵] (ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے ہوئے اور آہستہ آواز میں)۔

امام ابوحنیفہؒ سے پہلے صحابہ و تابعین میں سے بھی متعدد حضرات آہستہ آمین کہنے کے قائل تھے، ہم یہاں ایسے تین صحابہ کے نام ذکر کر رہے ہیں جن کے بارے میں حدیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آمین آہستہ آواز میں کہتے تھے، ہر نام کے آگے ہم نے روایت کا حوالہ بھی لکھ دیا ہے:

- حضرت عمرؓ — شرح معانی الآثار (طحاوی)، کتاب الصلاۃ، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلاۃ۔
- حضرت علیؓ — حوالۂ بالا، والمعجم الکبیر (طبرانی)، باب العین، عبد اللہ بن مسعود الھذلی۔ ۲۶۲/۹، حدیث نمبر ۹۳۰۴، مطبوعہ موصل ۱۹۸۲ء
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ — المعجم الکبیر (طبرانی)، باب العین، عبد اللہ بن مسعود الھذلی۔ ۲۶۲/۹، حدیث نمبر ۹۳۰۴، مطبوعہ موصل ۱۹۸۲ء

یہ تین حضرات صحابہ کرام کے عظیم علما میں شمار ہوتے ہیں، اور یہ حضرات بھی آمین آہستہ سے کہتے تھے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آمین آہستہ آواز میں کہنے کا احناف کا مسلک قرآن مجید کی ایک آیت کے مطابق ہے، صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور یہ عظیم ترین صحابہ کا بھی مسلک ہے۔

خیال رہے آمین زور سے کہنے یا ہلکے کہنے کا یہ اختلاف جائز و ناجائز کا اختلاف نہیں ہے، یعنی جو ائمہ اور علما آمین زور سے کہنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک آمین آہستہ سے کہنا ناجائز نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف دونوں طریقوں میں سے زیادہ بہتر طریقہ کے سلسلے میں ہے، کہ کچھ لوگوں کے نزدیک زور سے آمین کہنا زیادہ بہتر ہے، اور کچھ لوگوں کے نزدیک آہستہ سے کہنا زیادہ بہتر ہے، دونوں رائے رکھنے والے علما دوسرے طریقہ پر عمل کو بالکل جائز کہتے ہیں۔

رفع یدین
یا نماز میں ہاتھ اٹھانا

مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے گا، رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت یا نماز میں کسی اور وقت ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

دلائل:

● مسند حمیدی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه، وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع فلا يرفع، ولا بين السجدتين

(مسند حمیدی: ۲/۲۷۷، حدیث نمبر ۶۱۴)۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز کا آغاز فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے، اور پھر رکوع کرتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور سجدوں کے درمیان آپ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

مسند حمیدی میں نقل کی گئی یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، بلکہ یہ حدیث جس سند سے روایت کی گئی ہے اس سند (زهری عن سالم عن ابيه) کے بارے میں امام احمد، اور امام اسحاق بن راہویہ جیسے محدثین نے لکھا ہے کہ اس سے روایت کی گئی حدیثیں تمام دوسری صحیح

حدیثوں سے زیادہ صحیح ہوتی ہیں (مقدمہ ابن صلاح: ۱۰) یعنی یوں تو صحیح حدیثوں کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ہے، لیکن ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہوتی ہے، جو اس سند سے روایت کی جائے، اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث ایسی صحیح ہے کہ اس جیسی صحیح حدیثیں شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں۔

رفع یدین کرنے اور نہ کرنے سے متعلق حدیث کی کتابوں میں اگر چہ بہت سی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی حدیث بھی مسند حمیدی کی اس حدیث سے زیادہ صحیح نہیں ہے، اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ نے رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کیا تھا۔

● حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو رسول اکرمؐ کی نماز پڑھ کے دکھاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت یعنی نیت باندھتے وقت ہاتھ اٹھائے، (یعنی رفع یدین رکوع سے پہلے یا بعد میں یا نماز میں کسی اور وقت نہیں کیا)[ترمذی: ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان النبی ﷺ **لم یرفع الا فی أول مرة** سنن نسائی، **کتاب صفة الصلاة، باب ترک ذلک**] یہ حدیث صحیح ہے، مشہور سعودی سلفی عالم شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، (صحیح سنن الترمذی، متعلقہ مقام)۔

ایک ضروری وضاحت:

حدیث کی کتابوں میں رفع یدین سے متعلق بہت سی صحیح حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان میں سے بعض صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے، [۱] اسی طرح بعض حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت کے علاوہ تیسری رکعت کے آغاز میں بھی رفع یدین کرتے تھے، [۲]

[۱] مثلاً: صحیح بخاری: کتاب صفۃ الصلاۃ، باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع حدیث نمبر: ۷۳۶
[۲] مثلاً: صحیح بخاری: کتاب صفۃ الصلاۃ باب رفع الیدین اذا قام من اذا قام من الرکعتین، حدیث نمبر: ۷۳۹

اسی طرح بعض صحیح حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے[1]۔

اسی طرح اوپر آپ وہ دو صحیح حدیثیں بھی پڑھ چکے ہیں جن میں صرف تکبیر تحریمہ (یعنی نیت باندھتے وقت) ہاتھ اٹھائے جانے یا رفع یدین کرنے کا تذکرہ ہے، اور یہ صراحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت نماز کے درمیان کسی اور وقت رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے۔ ان سب صحیح حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر صاحب انصاف اور صاحب عقل شخص اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی اور موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ آپ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت میں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے دونوں کے مسلک پائے جاتے ہیں، امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی وہ صحیح حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں رسول اکرمؐ کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نیت باندھنے کے بعد پوری نماز میں کسی وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے تحریر فرمایا ہے:

''وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه و سلم و التابعين'' (سنن ترمذی: **ابواب الصلاة، باب ما جاء ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يرفع الا فى أول مرة**، حدیث نمبر: ۲۵۷)۔

ترجمہ: اس حدیث کے مطابق صحابہ و تابعین کے متعدد اہل علم کا مسلک ہے، (یعنی صحابہ اور تابعین کے علما میں ایک تعداد نے رفع یدین نہ کرنے کو اختیار کیا ہے)۔

---

[1] مثلا: سنن نسائی: **کتاب صفة الصلاة، باب رفع اليدين للسجود**، حدیث نمبر: ۱۰۸۵، یہ حدیث صحیح ہے، شیخ البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے رکوع سے پہلے اور اس کے بعد بھی رفع یدین کرنے والی حدیث کوذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وبھذا یقول بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم...... ومن التابعین" (سنن ترمذی:**ابواب الصلاة، باب رفع الیدین عند الرکوع**، حدیث نمبر:۲۵۶) ترجمہ:اس حدیث کے مطابق صحابہ وتابعین کے بعض اہل علم کا مسلک ہے۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں عمل صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں،صحابہ کرام سے لے کر آج تک ان دونوں پر عمل ہوتا آیا ہے،لہذا کسی ایک طریقہ کوغلط کہہ کرصرف دوسرے ہی طریقہ کوصحیح کہنا بےانصافی ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام مسالک کے ممتاز علما نے اس اختلاف کوصحیح اور غلط کا اختلاف نہیں محض زیادہ بہتر اور کم بہتر کا اختلاف مانا ہے۔

ایک پروپیگنڈہ کا جائزہ:

بعض لوگوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ رفع یدین کرنے کی حدیث رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے،اس لئے رفع یدین کرنا زیادہ بہتر ہے، لیکن یہ دعویٰ غلط اور حقیقت سے دور ہے،کوئی بھی منصف مزاج علم رکھنے والا شخص اس کی تردید نہیں کرسکتا کہ ہم نے شروع میں مسند حمیدی کی جو حدیث نقل کی ہے اور جس میں رسول اللہ ﷺ کا عمل صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت (یعنی نیت باندھتے وقت) ہاتھ اٹھانے اور نماز میں پھر کسی اور وقت ہاتھ نہیں اٹھانے یعنی رفع یدین نہیں کرنے کا بتایا گیا ہے وہ تمام دوسری حدیثوں سے زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ ہم نے پیچھے لکھا ہے یہ حدیث جس سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے اس جیسی صحیح سند کسی بھی اس روایت کی نہیں ہے،جس میں رکوع یا سجدے کے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے،مسند حمیدی کی یہ روایت جس سند کے ساتھ روایت کی

گئی ہے اس سند کی حدیث کے بارے میں امام احمد اور بعض دیگر محدثین نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے، یعنی یوں تو صحیح حدیثیں لاکھوں ہیں لیکن اس سند کی حدیث ان میں سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے۔

پیچھے ہم نے امام ترمذیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ متعدد صحابہ وتابعین علما کا مسلک رکوع کے وقت یا تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے درمیان کسی بھی وقت رفع یدین نہ کرنے کا ہے، ذیل میں ہم ایسے چند ممتاز صحابہ کرام کے نام (مع حوالہ) درج کر رہے ہیں، جن کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ وہ احناف کی طرح اسی مسلک کے حامل تھے، اور سوائے تکبیر تحریمہ کے نماز میں کسی بھی وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

- حضرت ابوبکرؓ — **السنن الکبری للبیهقی، باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح**، حدیث نمبر: ۲۶۳۶۔
- حضرت عمرؓ — حوالۂ بالا، و**مصنف ابن ابی شیبه کتاب الصلاة، باب من کان یرفع یدیه فی أول تکبیر ثم لا یعود**، ۲/۴۱۷-۴۱۸۔
- حضرت عثمانؓ — **السنن الکبری للبیهقی، باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح**، حدیث نمبر: ۲۶۳۶۔
- حضرت علیؓ — **مصنف ابن ابی شیبه کتاب الصلاة، باب من کان یرفع یدیه فی أول تکبیر ثم لا یعود**، ۲/۴۱۷-۴۱۸۔
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ — حوالۂ بالا
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ — حوالۂ بالا

اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نماز کے بیچ میں کسی بھی وقت رفع یدین نہ کرنے کا مسلک (بشمول خلفاء راشدین حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ

اورحضرت علیؓ)عظیم صحابہ کا مسلک تھااور یہ مسلک ایسی صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کی جیسی
صحیح حدیثیں بہت ہی کم اور شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں، اور وہ ان تمام حدیثوں سے زیادہ صحیح ہے
جن میں رفع یدین کرنے کا تذکرہ ہے۔

فرض نماز کے بعد دعا

<u>مسئلہ:</u>

احناف کے نزدیک فرض نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد خود بھی دعا مانگا کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کی تعلیم دیتے تھے۔

<u>دلائل:</u>

- صحیح بخاریؒ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ:

سمعت خلف النبي ﷺ يقول خلف الصلاةلا اله الاالله وحده لا شريک له اللهم لا مانع لما اعطيت ولامعطى لما منعت ولا ينفع ذاالجد منک الجد (صحیح بخاری، کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطی اللہ، حدیث نمبر ۶۲۴۱)۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ نماز کے بعد یہ دعا کر رہے تھے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اے اللہ! جو آپ دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ نہ دیں اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی مال ودولت والے کو اس کا مال ودولت آپ سے بے نیاز نہیں کرسکتا)۔

- صحیح مسلم میں حضرت ثوبان کی یہ روایت نقل کی گئی ہے:

كان رسول اللّٰه ﷺ إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال اللهم أنت السلام ومنک السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام (صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ..، حدیث نمبر ۵۹۱)۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو اللہ سے اپنے گناہوں کو معاف کرنے کی دعا تین مرتبہ مانگتے اور پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ تو ہی سالم [اور محفوظ ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے اور ہر قسم کے تغیر و زوال سے] اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی، تو برکت والا ہے، اے بزرگی و برتری والے، تعظیم و اکرام والے)۔

● صحیح مسلم میں ہی حضرت براء بن عازب کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ

انہوں نے ایک مرتبہ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: ''**رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک** ''(اے اللہ جس دن اپنے بندوں کو اٹھائیں گے اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچا لیجئے گا)۔ (مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب یمین الامام، حدیث نمبر: ۷۰۹)۔

● صحیح ابن حبان میں حضرت حارث بن مسلم تمیمی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ

ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ''مغرب کی نماز کے بعد کسی سے کچھ گفتگو کرنے سے پہلے یہ دعا سات مرتبہ مانگا کرو۔ ''**اللھم اجرنی من النار** ''(اے اللہ مجھے جہنم کی آگ سے بچائیے)، اسی طرح فجر کی نماز کے بعد کسی سے کچھ گفتگو کرنے سے پہلے یہ دعا سات مرتبہ مانگا کرو: ''**اللھم أجرنی من النار** ''(اے اللہ مجھے جہنم کی آگ سے بچائیے)، اگر تم نے ایسا کیا اور پھر اس رات میں تمہارا انتقال ہو گیا، تو اللہ تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا، (صحیح ابن حبان: ۲۰۲۲/۵، ۳۶۶ کتاب **الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ذکر کتبۃ اللہ عزو جل جوار امن النار لمن استجار منھا فی عقب صلاۃ الغداۃ والمغرب سبع مرات، نعوذ باللہ منھا**)۔

یہ حدیث صحیح ابن حبان کی ہے، امام ابن حبان ایک بڑے محدث تھے، انہوں نے بھی اپنی اس کتاب صحیح ابن حبان میں اسی طرح اپنے نزدیک صرف صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں، جس

طرح امام بخاری وامام مسلم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وہی روایتیں نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں۔

ان چار حدیثوں کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں اور بہت سی ایسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن میں فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے، اسی طرح بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اس لئے ہمیں بھی فرض نماز کے بعد دعائیں مانگنی چاہئیں۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

کچھ اہل حدیث حضرات نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو غلط کہتے ہیں، لیکن اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس لئے صحیح ہے، چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

● امام طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو نماز کے ختم ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا، یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دعا کے لئے) ہاتھ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی اٹھایا کرتے تھے" (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/۳۹۷، المکتبۃ الشاملہ)۔ مشہور محدث امام ہیثمیؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اس کے تمام راوی ثقہ ہیں"، یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔

● حضرت سلمانؓ کی یہ روایت امام ابوداؤد نے نقل کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا رب بہت حیا والا اور بہت سخی ہے، جب کوئی بندہ ہاتھ اٹھا کر اس سے دعا کرتا ہے تو اسے خالی ہاتھ واپس کرنے سے اللہ کو شرم آتی ہے۔ (ابوداود: ۱۴۸۸، کتاب سجود القرآن، باب الدعاء) یہ صحیح حدیث ہے، شیخ البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، (صحیح ابی داود: ۱۳۳۷)۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں موجود بہت سی حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا تھا، مثلا یہ حدیث پڑھیے:

● حضرت مالک بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم اللہ سے دعا مانگا کرو تو ہتھیلیاں چہرے کے سامنے کر کے مانگا کرو'' (سنن ابی داود: ۱۴۸۶، کتاب سجود القرآن، باب الدعاء)۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، شیخ البانیؒ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح ابی داود: ۱۳۳۵)، اور اس میں ہتھیلیاں چہرے کے سامنے کر کے یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

اوپر ذکر کی گئی حدیثوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بالکل صحیح ہے، اور جو لوگ اسے غلط کہتے ہیں وہ خود ایک غلط بات کہتے ہیں۔

بہت سے اہل حدیث علماء بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو صحیح کہتے ہیں، مثلا مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمان مبارکپوری نے سنن ترمذی کی اپنی شرح میں اس مسئلہ پر پوری بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بالکل صحیح ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے (تحفۃ الاحوذی: ۲/۱۷۳)۔

ایک ضروری وضاحت:

ہمارے یہاں کچھ مسجدوں میں جو یہ طریقہ رائج ہے کہ نماز کے بعد مقتدی امام کے ساتھ ہی دعا شروع اور ختم کرتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، ہمارے علماء احناف (بالخصوص جماعت دیوبند کے علماء) اسے غلط اور بدعت کہتے ہیں، (ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۳/۶۷-۶۸) اسی طرح ہمارے علماء کچھ مسجدوں کے اس معمول کو بھی غلط کہتے ہیں کہ امام ہمیشہ بلند آواز سے دعا کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں، کبھی کبھار ایسا ہونے میں حرج نہیں ہے، لیکن اس کو

مستقل کا معمول اور رواج بنا لینا غلط اور بدعت ہے۔ فتاوی کی تقریباً تمام کتابوں میں ایسے فتوے موجود ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کی پابندی مقتدیوں کے لئے ختم ہو جاتی ہے، وہ امام سے پہلے اور بعد میں دعا شروع کر سکتے ہیں، اور اسی طرح امام سے پہلے یا بعد میں دعا ختم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ نماز کے بعد یہ دعا سنت مستحبہ ہے، لہذا اگر کوئی شخص کبھی بغیر دعا کے اٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہاں ہمیشہ ایسا کرنا غلط ہے۔

ایصالِ ثواب

مسئلہ:

کوئی نیک کام اس نیت کے ساتھ کرنا کہ اس کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچے ایصالِ ثواب کہلاتا ہے، احناف کے نزدیک (بلکہ امت کے اکثر علما وائمہ کے نزدیک) ایسا کرنا صحیح ہے، اوراس طرح کسی شخص کے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچ جاتا ہے۔

دلائل:

● صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ وہ موجود نہ تھے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور میں موجود نہ تھا، اگر میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا فائدہ (ثواب) ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ملے گا، حضرت سعد نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف ان کے ایصال ثواب کیلئے صدقہ کردیا'' (صحیح بخاری: ۲۷۵۶، **کتاب الوصایا باب اذا قال ارضی أو بستانی صدقة لله عن أمی......**)۔

● صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، مجھے لگتا ہے کہ اگر انہیں بولنے کی مہلت ملتی تو وہ کچھ صدقہ ضرور کرتیں، تو اگر اب

میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچ جائے گا، آپ نے فرمایا: ہاں پہنچ جائے گا، (صحیح بخاری: ۱۳۸۸، **كتاب الجنائز، باب موت الفجأة البغتة**، صحیح مسلم ۱۰۰۴، **كتاب الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه**)۔

● صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اپنی والدہ کی جانب سے (یعنی ان کے ایصالِ ثواب کے لئے) روزہ رکھنے کا حکم دیا، حدیث کے الفاظ ہیں: ''**فصومي عن أمک**'' (اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھو)۔ (صحیح مسلم: ۱۱۴۸، **كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن ا لميت**)۔

● سنن ابو داود کی ایک صحیح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک کافر (عاص بن وائل) کے مسلمان بیٹے (حضرت عمرو بن عاص) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اپنے والد کے ایصالِ ثواب کے لئے پچاس غلام آزاد کردوں؟ آپؐ نے فرمایا:

''اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے، یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا، (سنن ابو داود: ۲۸۸۳، کتاب الوصایا، **باب ما جاء في وصية الحربي يسلم وليه**)۔

ان تمام صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ایصالِ ثواب کرنا بالکل صحیح ہے، اور اس طرح کسی شخص کے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچ جاتا ہے۔

ایک دعویٰ

ہم نے بعض اہل حدیث حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مالی نیکیوں کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے، لیکن بدنی نیکیوں کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس دعوے کو صحیح یا غلط کہنے سے پہلے آیئے اس کا مطلب سمجھیں: اصل میں نیکیاں تین طرح کی ہوتی ہیں:

۱- بدنی عبادت یعنی وہ نیک کام جو صرف جسم کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، ان میں مال

خرچ نہیں کیا جاتا، جیسے نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ، ان تمام نیک کاموں کو انسان اپنے بدن کے ذریعہ کرتا ہے، اس کا مال اس میں خرچ نہیں ہوتا۔

۲- مالی عبادت یعنی وہ نیک کام جو صرف مال خرچ کر کے کئے جاتے ہیں، ان میں انسان کے بدن کا کوئی کردار نہیں ہوتا، جیسے: زکاۃ وصدقہ وغیرہ، ان نیک کاموں مین انسان اپنا مال خرچ کرتا ہے، اس کا بدن ان نیک کاموں میں کچھ نہیں کرتا۔

۳- بدنی و مالی عبادت یعنی وہ نیک کام جن میں انسان اپنے بدن سے بھی محنت کرتا ہے اور مال بھی خرچ کرتا ہے، جیسے حج۔

ان لوگوں (اہل حدیثوں) کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کاموں کو کر کے ایصالِ ثواب کرنا تو جائز ہے جن میں مال خرچ ہوتا ہے، جیسے صدقہ یا حج وغیرہ، لیکن جن نیک کاموں میں مال خرچ نہ ہوتا ہو، بلکہ انہیں انسان صرف اپنے جسم سے کرتا ہو، جیسے روزہ اور قرآن کی تلاوت وغیرہ تو ان کے ذریعہ ایصالِ ثواب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ اوپر ہم نے صحیح مسلم کی حدیث میں پڑھا ہے کہ آپؐ نے ایک عورت کو اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا، اور روزہ مالی عبادت نہیں ہے، وہ خالص بدنی عبادت ہے، یعنی وہ ایک ایسا نیک کام ہے جو صرف جسم کے ہی ذریعہ کیا جاتا ہے، اس میں مال بالکل خرچ نہیں ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بدنی عبادتوں کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب کیا جانا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، لہذا اس کا کرنا صحیح ہے، اور اس کو غلط کہنا خود ایک غلط بات ہے۔

ایصالِ ثواب کے کچھ رائج طریقے:

اوپر کی گئی گفتگو سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ نیک کاموں کے ذریعہ دوسرے کو ثواب پہنچانا (یعنی ایصالِ ثواب کرنا) بالکل صحیح اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، لیکن اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ ایصالِ ثواب کے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جنکو تمام معتبر علماء غلط اور بدعت کہتے ہیں، جیسے کسی شخص کی موت کے تین دن بعد ایک ساتھ جمع ہو

کر تلاوت کرنا، دسویں دن یا چالیسویں دن غریبوں کو کھانا کھلانا۔ یقیناً غریبوں کو کھانا کھلانا، اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا نیک کام ہیں اور ان کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنا بھی صحیح ہے، لیکن ان کے لئے کوئی وقت یا دن متعین کرنا اور پھر متعین طریقہ پر ہی یہ کام کرنا، اور اسے اتنا ضروری سمجھنا کہ اگر کوئی نہ کرے تو اسے برا بھلا کہا جائے بالکل غلط اور بدعت ہے، اور بدعت بہت سخت گناہ ہے، اللہ ہم سب کو اس سے بچائے رکھے۔